دہشت گردی اسلام سے متصادم ہے!

تازہ ترین کتاب تیسیر الوهّاب في علاج ظاهرة الإرهاب کی منتخب مباحث کا ترجمہ

ڈاکٹر شیخ عبدالرحمن السدیس ﷾ امام کعبہ ، چیئرمین ڈائریکٹوریٹ حرمین شریفین، مکہ

انتخاب وتسہیل: مدیر 'محدث'

'اِرہاب' (دہشت گردی) کی لغوی تعریف

اِرھاب (دہشت گردی) کا لفظ خوف کے معنی کے گرد گھومتا ہے۔ ابن فارس[1] نے کہا:

"رھـ ب کی دو اصل ہیں، ایک خوف کا معنی دیتی اور دوسری باریکی اور ہلکا پن کا اور یہاں پہلا معنی مراد ہے۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہے: رهبتُ الشيء رَهَبًا وَرُهْبًا وَرَهْبَةً یعنی میں کسی چیز سے ڈر گیا، اور إرهاب کہتے ہیں: "اونٹ کو حوض میں آنے سے اور پانی پینے سے بھگانا۔""[2]

اور أَرهَبَه واستَرهَبَه یعنی "اسے ڈرایا اور دھمکایا۔""[3]

إرھاب کا لفظ ثلاثی مزید فیہ سے أرهبَ کا مصدر ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ أرهب فلانًا إرهابا یعنی "اسے ڈرایا اور خوف زدہ کیا۔" باب تفعیل رهَّب کا بھی یہی مفہوم ہے۔ لیکن اسی مادہ سے فعل مجرد: رَهِب يرهَب رَهْبة ورَهْبًا ورَهَبًا" کے معنی ڈرنے کے ہیں، کہا جاتا ہے: رَهِبَ الشيءَ رَهَبًا ورَهبة یعنی کسی چیز سے ڈر گیا، اور الرَهبَة کے معنی 'خوف اور گھبراہٹ' کے ہیں۔[4]

قرآن مجید کے اندر لفظ رھـ ب اور اس کے مشتقات بارہ جگہوں پر آئے ہیں[5] جن کی اکثریت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور خوف کھانے کا معنی پر مشتمل ہے، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

---

1 ابو الحسین احمد بن فارس الرازی، عربی لغت کے امام تھے، بہترین اشعار کہے، وفات ۳۹۰ھ (وفیات الاعیان: ۱/۱۱۸)

2 معجم مقاییس اللغۃ (۲/۴۴۷)، مادہ رھـ ب

3 القاموس المحیط، (۷۶،۷۷)، مادہ رھـ ب

4 الصحاح از جوہری: ۱/۱۴۰، لسان العرب: ۱/۴۲۳، تاج العروس: ۲/۵۳۷، مادہ رھـ ب

5 المعجم المفهرس لالفاظ القرآن الكريم : ص:۳۲۵

① اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَ اِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝ ﴾ (البقرۃ:۴۰)

"اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری اس نعمت کو جو میں نے تم کو عطا کی تھی۔ میرے ساتھ تمہارا جو عہد تھا، اسے تم پورا کرو تو میرا جو عہد تمہارے ساتھ تھا، اسے میں پورا کروں گا اور مجھ ہی سے تم ڈرو۔"

② فرعون کے جادوگروں کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ﴾ (الاعراف:۱۱۶)

"انہوں نے لوگوں کی نگاہوں کو مسحور اور انہیں خوف زدہ کر دیا۔"

③ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا﴾ (الانبیاء:۹۰)

"اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے۔"

اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ﴾ (الانفال:۶۰)

"اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلہ کے لیے مہیا رکھو جس کے ذریعہ سے تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو خوف زدہ کر سکو۔"

کا تعلق ہے تو یہ 'حملہ آور دشمنوں اور زیادتی کرنے والے ظالموں کو ڈرانے کے لیے، شرعی ضوابط اور صحیح معتبر شرطوں کے ساتھ جنگی ساز و سامان تیار کرنے' کے سلسلے میں ہے۔

دہشت گردی کی اصطلاحی تعریف

سب سے زیادہ جامع و مانع تعریف جو دہشت گردی کے تمام گوشوں کو شامل، شرعی احکام کے موافق اور اس کی اصطلاحات سے ہم آہنگ ہے، وہ رابطہ عالم اسلامی کی ذیلی تنظیم 'فقہ اکیڈمی' کی تعریف ہے کہ

"العُدوان الذي يمارسه أفراد أو جماعات أو دُوَل بغيًا على الإنسان، في دينه ودمه

وعقله وماله وعِرضه"[1]

"دہشت گردی نام ہے اس زیادتی کا جو افراد یا تنظیموں یا ملکوں کی جانب سے انسان کے دین، جان، عقل، مال اور عزت و آبرو کے خلاف کی جاتی ہے۔"

اس میں خوف زدہ کرنے، تکلیف پہنچانے، دھمکانے، ناحق قتل کرنے اور ڈاکہ زنی و رہزنی کی تمام صورتیں شامل ہیں۔ اسی طرح تشدد اور دھمکی اور شدت پسندی کا ہر وہ کام جو انفرادی یا اجتماعی طور پر مجرمانہ مقاصد کو پورا کرنے کے لیے کیا جائے اور جس کا مقصد یہ ہو کہ لوگوں کے دلوں میں خوف پیدا کیا جائے یا اُنہیں تکلیف پہنچا کر ہراساں کیا جائے یا ان کی زندگی، آزادی، امن اور حالات کو خطرے میں ڈالا جائے۔

دہشت گردی کی مختلف صورتیں ہیں، مثلاً: ماحولیات کو نقصان پہنچانا یا عوامی و ذاتی مفادات و املاک کو ضائع، برباد کرنا اور اُنہیں خطرے میں ڈالنا۔ یہ ساری منفی سرگرمیاں زمین پر فساد مچانے کی مختلف صورتوں میں سے ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا اور ایسا کرنے والوں کو ڈانٹ پلائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٧٧﴾﴾ (القصص:۷۷)

"اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کر، اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔"

اس قبیح فعل میں پائی جانے والی سنگین زیادتی اور اس کے بھیانک ظلم کی وجہ سے حکیم و خبیر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایسی زیادتی کے مرتکبوں کے لیے نہایت سخت خوفناک، الم ناک اور دردناک عذاب مقرر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿جَزَاءً وِفَاقًا﴾ (النبا:۲۶)

"ان کے (کرتوتوں کا) بھرپور بدلہ۔"

اور یہ بدلہ اسی بدترین عمل جیسا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (المائدۃ:۳۳)

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں سے فساد برپا کرتے ہیں، ان کی سزا یہ ہے

---

1 فقہ اکیڈمی نے دہشت گردی کی یہ تعریف اپنی سولہویں کانفرنس منعقدہ ۲۱ تا ۲۶ شوال ۱۴۲۲ھ کے اختتامی بیان میں شائع کی ہے۔ دیکھیں: مجلہ 'اسلامی فقہ اکیڈمی'، ذیلی شاخ رابطہ عالم اسلامی، شمارہ نمبر ۱۵... (ص:۴۹۱) مزید دیکھیں: موقف الاسلام من الإرهاب از محمد عمیری: ص۱۷ تا ۳۰، موقف المملكة العربية من الإرهاب از ڈاکٹر سلیمان ابا الخیل: ۱/۲۰۴ تا ۲۰۸

کہ وہ بری طرح قتل کیے جائیں، یا سولی چڑھائے جائیں، یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں، یا وہ جلاوطن کر دیے جائیں۔ یہ ذلت ورسوائی تو ان کے لیے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔"

یہی عدل ہے اور یہی انصاف ہے: ﴿ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ﴿٤٩﴾ ﴾ (الکہف:۴۹)

"اور تیرا ربّ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔"

چونکہ دہشت گردی وحشت ناکی، درندگی اور خوف مسلط کرنا ہے، اس لیے اس کی تعریف کرنے والوں میں اختلاف نظر آتا ہے، لہٰذا اس کی تحدید اور تعریف میں ان کے رجحانات اور اقوال مختلف نظر آتے ہیں، چنانچہ 'کانفرنس برائے عرب وزرائے داخلہ وؤزرائے عدل' کی تعریف یہ ہے:

"تشدد یا دھمکی کے وہ تمام اعمال جو لوگوں کے خوف اور گھبراہٹ کے باعث ہوں اور جن میں عوامی یا شخصی املاک کو نشانہ بنایا جائے یا ان پر قبضہ جمایا جائے، خواہ ان کا سبب یا مقصد کچھ بھی ہو۔"[1]

اور اقوام متحدہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے:

"ایسا مجرمانہ عمل جس کا فطری مقصد دہشت اور خوف پیدا کرنا ہو اور اس میں مخصوص لوگوں کو نشانہ بنایا جائے۔"[2]

اس کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں نے اپنی اپنی ثقافت، نقطہ نظر اور رجحان کے لحاظ سے دہشت گردی کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ لیکن 'فقہ اکیڈمی' کی سابقہ تعریف ہی معیاری ہے اور اس کی رو سے یہ ڈاکہ زنی، زیادتی، زمین پر فساد مچانے، مسلمانوں کی جماعت سے خروج اور حاکم کے خلاف بغاوت کرنے کے تمام غلط اقدامات کو شامل ہے۔ واللہ اعلم!

دہشت گردی کے خلافِ شریعت ہونے کی اساسات

ہم نے دہشت گردی کے جو انجام اور نقصانات بیان کیے ہیں، مثلاً: دین کی شفافیت، اعتدال اور خوبصورتی کو بگاڑنا اور اس کی آسانی ورواداری والی خوبی مسخ کرنا، معصوم جانوں کو ناحق قتل کرنا، اموال، جائدادو املاک برباد

---

۱ دراسات في القانون الدولي الجنائي از محمد محی الدین عوض: ص۴۸ تا ۵۲

۲ ایضاً اقوام متحدہ کی طرف سے دہشت گردی کی باضابطہ تعریف ابھی تک ایک معمہ ہے۔ (ادارہ)

کرنا اور اللہ کے دین سے روکنا وغیرہ تو یہ وہ چیزیں ہیں جو حتمی طور پر دہشت گردی کے شریعت مخالف ہونے کو واضح کرتی ہیں۔ چنانچہ یہاں میں چند ایسے نکات کا ذکر کروں گا جن کے ذریعہ یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ دہشت گردی چونکہ قرآن وسنت کے نصوص اور سلف صالحین کے منہج کے مخالف ہے، اس لیے اس کے بارے میں شریعت کا حکم ہے کہ وہ حرام ہے، جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

اول: دہشت گردی تکریم انسانیت کے منافی ہے!

اسلام نے انسانی کرامت کو اعلیٰ ترین شرف ومنزلت عطا کیا ہے، چنانچہ اس نے انسان کے خون، مال اور عزت کو محفوظ قرار دیا۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے انسانیت اور نفس بشری کے اعزاز واکرام کے مد نظر عزت وحفاظت اور تعظیم وتحفظ کا افضل ترین معیار قائم کیا۔ اس کی اس بات سے حفاظت کی کہ بلاثبوتِ جرم کے اسے ہلاک یا قابل سزا قرار دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوّٰىهَا﴾ (الشمس:۷)

"اور نفس انسانی کی اور اس ذات کی قسم! جس نے اسے ہموار کیا۔"

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ (بنی اسرائیل:۷۰)

"یہ تو ہماری عنایت ہے کہ بنی آدم کو بزرگی (عزت) دی اور انہیں خشکی وتری میں سواریاں عطا کیں۔"

علامہ ابن عاشور رحمۃ اللہ علیہ[1] فرماتے ہیں:

"جب ہم نے شریعتِ اسلامیہ کے ان تمام دلائل کی جستجو کی جو تشریع کے مقاصد پر دلالت کرتے ہیں تو کلی وجزوی دلائل سے نتیجۃً ہم پر یہ بات واضح ہوئی کہ اسلام میں شریعت سازی کا عمومی مقصد یہ ہے کہ اُمت کے نظام کی حفاظت ہو اور اس کے نگران یعنی انسان کی قابلیت کے ساتھ اس نظام کی قابلیت کو پائیدار رکھا جائے۔"[2]

لیکن یہ اندوہ ناک صورتِ حال دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ اللہ وتعالیٰ کی شریعت پر بہتان باندھنے والے منحرف فکر کے حامل لوگوں کے نزدیک نفس انسانی کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہے جس کی اللہ رب العالمین

---

۱ محمد الطاہر بن عاشور، تیونس میں مالکی مفتیوں کے رئیس، الزیتونہ یونیورسٹی کے چانسلر تھے۔ (تیونس، ۱۲۹۶ھ تا ۱۳۹۳ھ) تصانیف: مقاصد الشريعة الاسلامية، أصول انتظام الاجتماعي في الإسلام، التحرير والتنوير في تفسير القرآن

۲ مقاصد الشریعۃ از ابن عاشور: ص ۲۰۰

نے اس کے بلند مقام کی وجہ سے قسم کھائی ہے۔

دوم: دہشت گردی وسطیت کے مخالف اور غلو کے مترادف ہے!

شریعت مخالف دہشت گردی اور انتہا پسندی پھیلنے کے بدترین اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ اسلام کی تابناک شریعت نے جس روشن، معتدل، میانہ رو منہج سے دنیا کو روشناس کرایا تھا، اس کو نظر انداز کیا گیا۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ وسطیّت کے معنی اور اس کی حقیقت سے واقفیت حاصل کی جائے تاکہ اس دین کی رواداری کا روشن چہرہ دنیا کے سامنے آئے۔ خصوصاً ایسے وقت میں، جبکہ اسلام پر اس کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کی طرف سے حملہ شدید ہو گیا ہے۔ اسلام کے بعض نام لیواؤں کی غلطیوں کو حجت بنا کر اس کے روشن چہرے کو غلط فہمی پیدا کرنے والی اصطلاحات اور متعصّبانہ الفاظ کے ذریعہ دھندلایا جا رہا ہے، تاکہ اسلام کی شبیہ کو مسخ کیا جائے۔ اس میں کچھ مسلمان اس روشن منہج سے بیزاری کا شکار ہو گئے، چنانچہ وہ افراط و تفریط کی زندگی گزارنے لگے اور غلو و بیزاری کے راستے پر چل پڑے، حالانکہ اللہ کا دین غلو کرنے اور بیزاری برتنے والے کے درمیان کا دین ہے۔

علمائے اسلام نے سورۃ البقرۃ میں وارد وسطیت کی حقیقت کو بیان کیا ہے جس کے دو مشہور معانی ہیں اور دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے:

پہلا معنی: وَسط یعنی چنیدہ اور انصاف پسند لوگ اور اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿قَالَ اَوْسَطُهُمْ﴾ ''ان میں جو بہتر آدمی تھا، اس نے کہا۔'' (القلم،۲۸)   اور اسی معنی میں شاعر کا یہ شعر ہے:

هُمْ وُسْط يَرْضيَ الْأَنَامَ بِحُكْمِهِمْ   إِذَا نَزَلَتْ إِحْدَي اللَّيَالِي بِمُعْظَمِ

''وہ چنیدہ لوگ ہیں جن کے فیصلے سے لوگ راضی ہوتے ہیں، جب کبھی کوئی بڑا حادثہ وقوع پذیر ہوتا ہے۔''

دوسرا معنی: وہ لوگ افراط و تفریط کے مابین وسط ہیں۔

مفسرین حافظ ابن جریر اور حافظ ابن کثیر رحمہا اللہ نے فرمایا کہ یہ اس امت محمدیہ پر احسان جتلائے جانے کے سیاق میں آیا[1] ہے۔ سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کو امت وسط کا خطاب دیتے ہوئے فرمایا:

---

1 تفسیر طبری: ۳/۱۴۱ اور تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۵۶

﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ (البقرۃ:۱۴۳)

"اور اسی طرح تو ہم نے تم مسلمانوں کو ایک 'امتِ وسط' بنایا ہے۔"

وسطیت اس امت کے سلف صالحین کا منہاج ہے اور اسی کے بارے میں امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت ہیں جو بغیر کسی تحریف وتعطیل اور تکییف وتمثیل کے ان چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں خبر دی ہے بلکہ وہ امت کے فرقوں میں وسط ہیں جس طرح یہ امت دیگر امتوں کے درمیان وسط ہے۔"[1]

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"شریعت اپنے تقاضوں کا پابند کرنے میں وسطیت واعتدال پر قائم ہے جو دونوں کناروں کے بالکل بیچ وبیچ ہے اور اس میں کوئی کجی نہیں۔ چنانچہ جب آپ شریعت کے کسی کلی اصول پر غور کریں گے تو پائیں گے کہ وہ وسط وعتدال پر ابھارنے والا ہے اور اس میں توسط (میانہ روی) ظاہر ہے۔ یہی وہ اصل ہے جس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور یہی وہ جائے عافیت ہے جہاں پناہ لی جاتی ہے۔"[2]

امام عزالدین بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ [3] فرماتے ہیں:

"من جملہ بات یہ ہے کہ انسان کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ صرف ایسی بات کہے یا ایسا عمل بجالائے جس سے کوئی مصلحت حاصل ہو یا کوئی نقصان دور ہو۔ ہر دو صورتوں میں غلو وتقصیر کے درمیان اعتدال وتوسط کی راہ اختیار کرے۔"[4]

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"کوئی بھی معاملہ ایسا نہیں جس میں شیطان غلو یا تقصیر (افراط وتفریط) پر نہ ورغلاتا ہو جبکہ حق ان دونوں کے درمیان ہے۔"[5]

---

۱ مجموع الفتاوی: ۳/ ۱۶۸

۲ الموافقات از امام شاطبی: ۲/ ۲۷۹

۳ عبد العزیز بن عبد السلام بن القاسم دمشقی (دمشق ۵۷۷ھ تا ۶۶۰ھ)۔ آپ عزالدین اور سلطان العلماء کے لقب سے ملقب ہوئے۔ درجہ اجتہاد پر فائز شافعی فقیہ تھے۔ تصنیفات: الفوائد، القواعد الکبری والصغری اور مقاصد الرعایۃ

۴ القواعد الصغری از عزالدین: ۱/ ۳۶

۵ الروح از ابن قیم: ۱/ ۲۵۷

اوپر ہم نے ائمہ دین کے جن اقتباسات کا ذکر کیا، ان سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلام کی وسطیت دین و دنیا اور آخرت کے تمام امور کو شامل ہے بلکہ اس میں پائے جانے والے اعجاز اور ہر زمان و مکان کے لیے اس کے مختلف پہلوؤں میں ایک اہم پہلو وسطیت ہے۔ اور اسی وسطیت کی بنا پر امتِ مسلمہ کی ذمہ داری دو چند ہو جاتی اور اس کا عالمی کردار بڑھ جاتا ہے۔

یہ وسطیت اور شہادت والی امت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لِّتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (البقرۃ:۱۴۳) ''تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔''

ایسی گواہی ہمیں دینی ہے جس سے حقوق محفوظ ہوں گے، عدل وانصاف قائم ہو گا، شرف وکرامت کی حفاظت کی جائے گی اور موجودہ تہذیب کی تعمیر کی جائے گی۔ جبکہ دنیا طرح طرح کی کشمکش سے پریشان اور انسانیت مختلف قسم کے ٹکراؤ سے تھک چکی ہے۔ اس صورت حال سے اسلام کی تابناک وسطیت ہی نجات دے سکتی ہے۔

دہشت گردانہ سوچ، غلو اور وسطیت واعتدال میں حد سے تجاوز کرنے کی بنا پر پیدا ہوئی ہے اور یہی اس کی قرآن وسنت سے بنیادی مخالفت ہے جہاں غلو کی مذمت بیان کی گئی اور اس سے ڈرایا گیا ہے، کیونکہ دین ودنیا میں فرد ومعاشرہ پر اس کے بڑے مفاسد اور برے اثرات ہیں۔

غُلُوّ اعتدال کی ضد ہے اور یہ اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے، لوگوں کو دین سے متنفر کرنے، شرعی احکام میں تحریف کرنے اور اسلام کی رواداری اور رحمت وشفقت جیسی صفات کو نظر انداز کرنے کا دوسرا نام ہے۔ اس بیمار سوچ اور غلط راستے کی مذمت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِن قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ﴾ (المائدۃ:۷۷)

''اے نبی آپ کہہ دیجیے! اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور نہ ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرو جو تم سے پہلے خود گمراہ ہوئے اور بہت سارے لوگوں کو گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔''

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا﴾ (ہود:۱۱۲)

''پس اے نبی! تم اور تمہارے وہ ساتھی جو (کفر وبغاوت سے ایمان واطاعت کی طرف) پلٹ آئے ہیں، ٹھیک راہِ راست پر ثابت قدم رہو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے اور بندگی کی حد سے تجاوز نہ کرو۔''

سرچشمہ نبوت سے: حبیب ﷺ نے فرمایا:

«وَإِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ»[1] ”تم دین میں غلو کرنے سے بچو۔“

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: « هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ ، هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ »[2]

”شدت برتنے والے ہلاک ہو گئے، شدت والے ہلاک ہو گئے، شدت والے ہلاک ہو گئے۔“

کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے:

وَلَا تَغْلُ فِي شَيْءٍ مِنَ الْأَمْرِ وَاقْتَصِدْ كِلَا طَرَفَيْ قَصْدِ الْأُمُورِ ذَمِيمُ

”کسی بھی چیز میں غلومت کرو اور درمیانہ راستہ اختیار کرو، کیونکہ میانے اُمور کے دونوں کنارے مذموم ہیں۔“

سوم: دہشت گردی زمین پر فساد برپا کرنا ہے!

یقیناً شریعتِ اسلامیہ آباد کرنے کا نام ہے، برباد کرنے کا نہیں۔ تعمیر و ترقی کا نام ہے، تخریب و تباہی کا نہیں۔ قائم کرنے کا نام ہے، ہلاک کرنے کا نہیں ۔جبکہ دہشت گردی اپنی تمام برائیوں ، آفتوں، مصیبتوں اور ہولناکیوں کے ساتھ بارونق، سرسبز و شاداب دنیا کو ویران اور چٹیل میدان میں تبدیل کرنے کا نام ہے۔ وہ فساد و افساد کے سوا کچھ نہیں جو حق و حرمت ،اقدار اور عظمتوں کو خاردار صحرا میں پھینک دے اور قوموں کو نادم و نوحہ خوانی پر مجبور کرے!! کیا فساد و تخریب کاری کی اس ہولناکی کے بعد بھی کوئی عقل مند قرآن و سنت میں دہشت گردی کی حرمت پر مزید دلیل تلاش کرے گا؟

اِفساد کا مطلب ہے ”کسی چیز کو بغیر کسی صحیح مقصد کے اس کی معروف حالت سے نکال کر فاسد بنا دینا۔“[3]

چنانچہ ملکوں اور لوگوں کے درمیان فساد پھیلانا بیماری اور ہلاکت کی دلدل ہے، فنا و مصائب کی بنیاد ہے، نعمتوں اور رحمتوں سے محرومی ہے اور تباہی و ہلاکت کا اعلان ہے ۔غلو اور وسطیت سے تجاوز کرنے کا حتمی نتیجہ زمین پر فتنہ و فساد اور ظلم و زیادتی ہے۔ قرآن و حدیث کے متعدد مقامات میں اس پر شدید وعید آئی ہے جن

---

١ المجتبیٰ از نسائی: کتاب مناسک الحج، باب التقاط الحصی، رقم ٣٠٥٧؛ مسند احمد: رقم ١٨٥١ عن ابن عباس علامہ البانی نے السلسلۃ الصحیحہ میں اسے صحیح کہا۔ رقم ٢١٥٣

٢ صحیح مسلم: کتاب العلم، باب ہلک المتنطعون، رقم ٢٦٧٠

٣ الکلیات از کفوی: ١/ ٢٢٠

میں سے بعض یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴾

"اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کر، اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔" (القصص:۷۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝﴾ (البقرۃ:۲۰۵،۲۰۴)

"انسانوں میں کوئی ایسا بھی ہے جس کی باتیں دنیا کی زندگی میں تمہیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں اور اپنی نیک نیتی پر وہ بار بار اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہے مگر حقیقت میں وہ بدترین جھگڑالو ہوتا ہے۔ جب اسے اقتدار مل جاتا ہے تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے، کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے۔ حالانکہ اللہ (جسے وہ گواہ بنارہا تھا) فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔"

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یہ فساد، رہزنی اور مسافروں کو خوف زدہ کرنے سے ہوتا ہے۔ اور کہا گیا ہے: قطع رحمی اور مسلمانوں کا خون بہانے سے ہوتا ہے اور تمام گناہوں کا ارتکاب اس کے ضمن میں آتا ہے۔"[1]

برکت ورحمت سے بھرپور ہماری شریعت تعمیر اور سعادت لے کر آئی ہے، جو معاشرے کو پھیلانے اور تہذیب وامان کی بنیادیں مضبوط کرنے کے لیے ترقی، قیادت اور افادۂ عام پر ابھارتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر ہر قسم کے فساد اور ظلم وزیادتی کو حرام قرار دیا ہے اور ہر قسم کی تباہی وبربادی سے روکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ۝﴾ (یونس:۸۱)

"یقیناً اللہ تعالیٰ فساد پھیلانے والوں کے کام کو سدھرنے نہیں دیتا۔"

دوسری جگہ بندوں کو اصلاح وتعمیر پر دوام کی تلقین کرتے اور روئے زمین پر فساد پھیلانے اور بندوں پر ظلم ڈھانے سے روکتے ہوئے اللہ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا﴾ (الاعراف:۸۵)

"اور زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔"

ظلم کی حرمت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

۱ احکام القرآن لابن العربی: ۱۷/۳

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ﴾ (الاعراف:۳۳)

"اے نبی ان سے کہو کہ میرے ربّ نے ظاہر و پوشیدہ ہر قسم کی بے شرمی کے کام، گناہ اور حق کے خلاف وزیادتی کو حرام قرار دیا ہے۔"

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ (النحل:۹۰)

"اور اللہ تعالیٰ بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (المائدۃ:۲)

"اور تم نیکی و تقوی کے کام میں ایک دوسرے کا تعاون کرو اور گناہ و زیادتی کے کاموں میں کسی کا تعاون نہ کرو۔"

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَلَيْسَ شَيْءٌ اَعْجَلَ عِقَابًا مِّنَ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ»[1]

"ظلم اور قطع رحمی سے زیادہ کسی بھی چیز کی سزا میں جلدی نہیں ہوتی۔"

محمد بن کعب القرظی رحمۃ اللہ علیہ[2] فرماتے ہیں:

"تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جس میں ہوں، اس پر وبالِ جان ہوں گی: ظلم، عہد شکنی اور مکر و فریب۔"[3]

دہشت گردی اور انتہا پسند فکر سوائے ظلم و زیادتی، سرکشی، تباہ کاری، روئے زمین پر فساد پھیلانے اور تباہی مچانے کے ہوا اور کچھ نہیں، جو غیر انسانی، وحشیانہ واقعات اور حیوانی و خونی اثرات کی شکل میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝﴾ (البقرۃ:۱۱۔۱۲)

"جب کبھی ان سے کہا گیا کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو، تو انہوں نے یہی کہا کہ ہم تو اصلاح کرنے والے

---

۱ سنن ترمذی: رقم ۲۵۱۱، سنن ابو داؤد: باب فی النہی عن البغی، رقم ۴۹۰۲، مسند احمد رقم ۲۰۳۹۶

۲ ابو حمزہ محمد بن کعب القرظی فضلائے اہل مدینہ میں سے ہیں۔ انہیں سیدنا عبد اللہ بن عباس، علی بن ابی طالب اور عبد اللہ بن مسعود جیسے صحابہ کرام سے روایت کا شرف ملا۔ (وفات ۱۰۸ھ یا ۱۱۷ھ)

۳ ذم البغی از ابن ابی الدنیا: ۱/۵۳، حلیۃ الاولیاء از ابو نعیم: ۵/۱۸۱

ہیں۔ خبردار! حقیقت میں یہی لوگ مفسد ہیں مگر انہیں شعور نہیں ہے۔"

چہارم: شرعی ضوابط کے بغیر تکفیر کرنا

منحرف فکر کے حامل لوگ ملکوں اور قوموں کے خلاف اپنے جرائم اور حملوں کے لیے تکفیر کو سب سے آسان ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ چونکہ اللہ اور اس کی شریعت کی نظر میں تکفیر کا مسئلہ نہایت اہمیت کا حامل ہے، اس لیے اسے اچھی طرح سمجھنا، اس کے لغوی و شرعی مدلولات کی وضاحت کرنا اور اس کے معتبر اصول وضوابط کو جاننا بہت ضروری ہے۔

الف) تکفیر کا لغوی معنی: لغت میں تکفیر کے متعدد معانی ہیں جن میں سے ایک معنی ڈھانپنا اور چھپانا ہے۔ یہاں یہی معنی مراد ہے، چنانچہ عرب، کسان کو کافر کہتے ہیں، کیونکہ وہ بیج کو زمین کے اندر چھپا دیتا ہے اور اسی مفہوم میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ﴾ (الحدید: ۲۰) "اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش ہوگئی تو اس سے پیدا ہونے والی نباتات کو دیکھ کر کاشت کار خوش ہوگئے۔"

اسی طرح جنگجو کے لیے بھی تکفیر کا لفظ بولا جاتا ہے: إذا تکفر في سلاحہ یعنی جب وہ مکمل ہتھیار بند ہو جائے، اسی طرح رات کو بھی کافِر کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ لوگوں کو چھپا لیتی ہے۔

تکفیر اسے بھی کہتے ہیں کہ انسان جھک جائے اور اپنا سر جھکا لے، جیسے اپنے ساتھی کی تعظیم کرنے والا کرتا ہے، یعنی کھڑے ہونے کی حالت میں بہت زیادہ جھکنا۔[1]

ب) تکفیر کا شرعی معنی: "اہل قبلہ میں سے کسی شخص کی نسبت کفر کی طرف کرنا۔"[2]

قارئین کرام! آپ سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ بلا سوچے سمجھے تکفیر کرنے میں بڑی برائی، شر اور بڑا خطرہ ہے جس کی وجہ سے اُمت کو نہ جانے کتنے مصائب اور بھیانک نتائج وانجام سے دوچار ہونا پڑا!! جس شخص کے پاس تقویٰ ودینداری کی معمولی رمق اور ذرہ بھر علم وسنجیدگی ہوگی، وہ کبھی بھی تکفیر میں جلد بازی نہیں کرے گا جس سے دل چور چور ہو جاتے اور نفس گھبراتے ہیں اور جس کے خطرہ سے بدن کانپ اٹھتے ہیں۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ[3] فرماتے ہیں:

---

۱ معجم مقاییس اللغۃ: ۵/ ۱۹۱، لسان العرب: ۵/ ۱۴۴، اور تاج العروس: ۱۴/ ۵۰... مادہ: ک ف ر

۲ مدارج السالکین از ابن قیم: ۱/ ۳۵۳، الکلیات: ۴/ ۷۴، ابن عابدین: ۳/ ۲۸۴

۳ ابو علی بدر الدین محمد بن علی شوکانی... شوکان: ولادت ۱۱۷۳ھ۔ (البدر الطالع از شوکانی: ۲/ ۲۱۴ اور التاج المکلل از صدیق حسن

"دین میں تعصبات نے مسلمانوں کی اکثریت کو ایک دوسرے پر کفر کی تہمت لگانے میں مبتلا کر دیا ہے۔ اسے دیکھ کر آنکھیں اشکبار ہیں اور دل اسلام اور مسلمانوں کی حالتِ زار پر ماتم کناں ہے۔ یہ تعصب نہ سنت کی خاطر ہے نہ قرآن کی خاطر اور نہ اللہ کے کسی بیان یا برہان کے لیے ہے بلکہ جب دین میں تعصّب پرستی کی ہانڈیاں ابل پڑیں اور مردود شیطان مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرنے میں کامیاب ہوگیا تو اس نے اُنہیں ایک دوسرے کو ایسی چیز سے متہم کرنے کی تلقین کی جس کی حیثیت ہوا میں اڑتے ذرہ اور صحرا کے سراب کی سی ہے۔ اللہ مسلمانوں کو اس تباہ کن آفت سے بچائے جو دین کو تباہ کرنے والی آفتوں میں سب سے بڑی آفت ہے اور اس جیسی مصیبت سے مؤمنوں کا پالا نہیں پڑا۔ وہ دلائل جو مسلمان کی عزت وآبرو کی حفاظت اور اس کے احترام پر دلالت کرتے ہیں وہ سیاقِ خطاب کے ذریعہ اسی بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مسلمان کو اس کے دین میں کسی عیب سے متہم کرنے سے بچا جائے، چہ جائیکہ اسے مِلت اسلامیہ سے نکال کر ملت کفر میں داخل کیا جائے؟ یہ ایسا جرم ہے کہ اس کے برابر کوئی دوسرا جرم نہیں اور دین میں ایسی جرات ہے کہ اس کے مماثل کوئی جسارت نہیں۔ کہاں ہے اپنے بھائی کی تکفیر کی جسارت کرنے والا رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کے سامنے: «المُسْلِمُ أَخُو المُسْلِمِ لاَ يَظْلِمُهُ وَلاَ يُسْلِمُهُ»[1] "ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہوتا ہے، وہ اس پر ظلم نہیں کرتا اور نہ ہی کسی ظالم کے سپرد کرتا ہے۔" آپ ﷺ کے اس فرمان سے: «سِبَابُ المُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ»[2] "مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔" اور آپ ﷺ کے اس فرمان سے: «إن دماءكم وأموالكم وأعراضكم عليكم حرام»[3] "یقیناً تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزت ایک دوسرے حرام ہے۔"[4]

اس ناساز منہج، معیوب مسلک اور کج روی سے ڈرانے والی نصوص بہت سی ہیں۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾

خان: ۳۰۵ تا ۳۱۷)

۱ صحیح بخاری: كتاب المظالم والغصب، باب لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه، رقم ۲۳۱۹

۲ صحیح بخاری: كتاب الايمان، باب خوف المؤمن من ان يحبط عمله وهو لايشعر، رقم ۴۸

۳ صحیح بخاری: كتاب العلم، باب قول النبی ﷺ: رب مبلغ أوعى من سامع: رقم ۱۰۵

۴ السيل الجرار المتدفق على حدائق الأزهار از شوکانی: ۱/۹۸۱

"تو دوست و دشمن میں تمیز کرو اور جو تمہاری طرف سلام سے تقدیم کرے اسے فوراً نہ کہہ دو کہ تو مومن نہیں ہے دنیوی زندگی کی متاع چاہتے ہوئے۔" (النساء:۹۴)

صحیحین میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لأَخِيهِ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهِ أَحَدُهُمَا فَإِنْ كَانَ كَمَا قَالَ وَإِلَّا رَجَعَتْ عَلَيْهِ»[1]

"جب کوئی شخص اپنے بھائی کو اے کافر! کہہ کر پکارتا ہے، تو وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کی طرف ضرور لوٹتا ہے، اگر معاملہ حقیقت میں ویسا ہی ہے جیسا کہ اس نے کہا، تب ٹھیک ہے۔ ورنہ کفر خود اسی پر لوٹ جاتا ہے۔"

صحیحین ہی میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«مَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْكُفْرِ اَوْ قَالَ: عَدُوَّ اللهِ وَلَيْسَ كَذٰلِكَ اِلاَّ حَارَ عَلَيْهِ»[2]

"جس نے کسی شخص کو کافر کہہ کر پکارا، یا کہا: اے اللہ کے دشمن! حالانکہ وہ حقیقت میں ایسا نہیں تو اس کی یہ بات خود اس پر لوٹ جاتی ہے۔"

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«وَمَنْ رَمَى مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهِ»[3]

"جس نے کسی مؤمن پر کفر کا الزام لگایا تو گویا اس نے اسے قتل کیا۔"

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کا یہی روشن منہج تھا۔ امام احمد اور طبرانی اور دیگر ائمہ نے ابوسفیان سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا جبکہ

"وہ مکہ میں مجاور تھے کہ کیا آپ لوگ اہل قبلہ میں سے کسی کو مشرک سمجھتے تھے؟ تو اُنہوں نے کہا: اللہ کی پناہ! اور یہ سن کر وہ گھبرا گئے، تو ایک آدمی نے ان سے کہا: کیا آپ لوگ ان میں سے کسی کو کافر کہتے تھے؟ انہوں نے کہا: نہیں!"[4]

---

۱ صحیح بخاری: باب من كفر أخاه لغير تاويل فهو كما قال، رقم ۵۷۵۳

۲ صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب بيان حال إيمان من رغب عن أبيه وهو يعلم، رقم: ۲۲۶

۳ المعجم الكبير للطبراني ۲/۱۷۷/۲، رقم ۴۶۰

۴ مسند أبي يعلى: ۴/۲۰۷، رقم: ۲۳۱۷

سلف صالحین رحمہم اللہ اسی روشن و تابناک راستے پر چلے اور انہوں نے تکفیر کا حکم لگانے کے لیے اصول اور شرائط وضوابط متعین کیے۔ ساتھ ہی ساتھ اس کے لیے حالات وموانع کی تحدید کی جن کی پاسداری کرنا اور جن کی تحقیق کر لینا ضروری ہے۔ یہ تکفیر کی اہمیت، نزاکت اور باریکی کی وجہ سے ہے۔ ان میں اہم ترین یہ ہے کہ تکفیر ایک شرعی حکم ہے جو خالص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حق ہے۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْكُفْـرُ حَـقُّ اللهِ ثُمَّ رَسُوْلِهِ　　بِالنَّصِّ يَثْبُتُ لَابِقَوْلِ فُلَانِ

مَنْ كَانَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ وَعَبْدُهُ　　قَدْ كَفَرَاهُ فَذَاكَ ذُوْالْكُفْرَانِ[1]

"کفر کا حکم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حق ہے جو نص سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ فلاں کے قول سے۔ جسے اللہ ربّ العالمین اور اس کے بندے (رسول ﷺ) نے کافر کہا ہو، وہی کافر ہو گا۔"

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ[2] فرماتے ہیں:

"ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو بھی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں قرار دیتے جب تک کہ وہ اسے حلال نہ سمجھے۔"[3]

قاضی علی بن علی بن محمد بن ابی العز حنفی رحمۃ اللہ علیہ (۷۳۱ھ تا ۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

"تکفیر وعدم تکفیر کے باب میں عظیم فتنہ اور بڑی آزمائش رونما ہوئی۔ بہت اختلاف ہوا، رجحانات اور آرا بٹ گئیں اور اس میں ان کی دلیلیں باہم متعارض ہوئیں۔ اور کچھ لوگوں نے درمیان کا راستہ اختیار کیا۔"... پھر لکھتے ہیں: "سب سے بڑی زیادتی کی بات یہ ہے کہ کسی معین شخص کے بارے میں یہ گواہی دی جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کرے گا اور نہ ہی اس پر رحم کرے گا بلکہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔"[4]

---

۱ القصيدة النونية لابن القيم: ۲۷۷

۲ امام الحافظ ابو جعفر احمد بن حمد سلامہ طحاوی، نامور حنفی فقیہ: م ۳۲۱ھ مکہ.. تصنیفات: أحكام القرآن، معاني الآثار، اختلاف الفقهاء، العقيدة وحكم أراضي مكة

۳ شرح العقيدة الطحاوية: ۲۰۴/۱

۴ ایضاً

شارح مسلم امام نووی رحمۃ اللہ علیہ[1] فرماتے ہیں:

"جان لیں کہ اہل حق کسی گناہ کی وجہ سے اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے، نہ ہی اہل ہویٰ وبدعت کی تکفیر کرتے ہیں۔"[2]

امام قرافی رحمۃ اللہ علیہ[3] فرماتے ہیں:

"کسی بھی امر کا کفر ہونا، خواہ وہ کوئی بھی امر ہو، عقلی امور میں سے نہیں، بلکہ یہ شرعی امور میں سے ہے، چنانچہ جب شارع علیہ السلام کسی بھی مسئلے کے بارے میں کہہ دیں کہ یہ کفر ہے تو وہی کفر ہے۔"[4]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اسی لیے اہل علم اور اہل سنت اپنے مخالفین کی تکفیر نہیں کرتے، اگرچہ وہ مخالف ان کی تکفیر کرتے ہوں کیونکہ کفر ایک حکم شرعی ہے اور انسان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اسی کی مثل کے ذریعے بدلہ لے، جیسے کوئی شخص آپ پر جھوٹ باندھے یا آپ کی اہلیہ کے ساتھ زنا کرے تو آپ کے لیے یہ جائز نہیں آپ بھی اس پر جھوٹ باندھیں یا اس کی اہلیہ کے ساتھ زنا کریں، کیونکہ جھوٹ اور زنا اللہ تعالیٰ کے حق کی وجہ سے حرام ہیں۔ اسی طرح تکفیر بھی اللہ کا حق ہے، اس لیے کسی کی تکفیر نہیں کی جائے گی سوائے اس شخص کے جس کی تکفیر اللہ اور اس کے رسول نے کی ہے۔"[5]

مجددِ اسلام شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مجملہ بات یہ ہے کہ ہر وہ شخص جسے اپنے نفس سے خیر خواہی ہو، اس پر واجب ہے کہ وہ اس مسئلے تکفیر میں علم اور اللہ کی طرف سے نازل کردہ برہان کے بغیر منہ نہ کھولے اور محض اپنی سمجھ سے اور اپنی عقل کو اچھا لگنے کی وجہ سے کسی شخص کو اسلام سے نکالنے سے ڈرے۔ کیونکہ کسی شخص کو

---

1 ابو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرف بن مری نووی شافعی... (م ۶۷۶ھ) فقہ وحدیث کے امام، حافظ ومتقن۔ تصانیف: المنهاج، شرح المهذب، الروضة، التحقيق، الأذكار وغیرہ

2 شرح النووی علی مسلم: ۱/۱۵۰

3 احمد بن ادریس صنہاجی قرافی مالکی، م ۶۸۴۔ فقہ اور اُصول فقہ کے امام... تصانیف: أنوار البروق في أنواع الفروق، الإحكام في تمييز الفتاوى عن الأحكام، الذخيرة في فقه المالكية.

4 الفروق از قرافی: ۴/۲۹۸

5 الرد علی البکری از ابن تیمیہ: ۲/۲۹۲

اسلام سے نکالنا اور اس میں داخل کرنا دین کے عظیم ترین امور میں سے ہے اور اس مسئلے میں اکثر لوگوں کے قدم کو ڈگمگانے میں شیطان کامیاب رہا ہے۔''[1]

اللہ اکبر! اس باب میں سلف کے خوف و تقویٰ کا یہ عالم تھا! ان تمام آثار کے بعد بھلا ایسے لوگوں کے لیے جو علم و فضل میں ان علماے اسلاف کی خاکِ پا کو بھی نہیں پہنچ پاتے، کیا جواز بنتا ہے کہ وہ اجمالاً یا تفصیلاً اپنے مسلمان بھائیوں پر صریح کفر کا فتویٰ لگانے میں جلد بازی کرنے کی جسارت کریں؟ معاذ اللہ!

کیا یہ لوگ نہیں جانتے ہیں کہ تکفیر میں جلد بازی سے کون کون سے خطرناک امور قائم ہوتے ہیں: جیسے خون و مال کو حلال سمجھنا، وراثت سے محروم کرنا، نکاح کا فسخ ہونا، اس کی نمازِ جنازہ حرام ہونا اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں نہ دفنانا۔ ساتھ ساتھ تکفیر اس پر دائمی جہنم کو واجب کرتی ہے، نعوذ باللہ! ان کے علاوہ وہ دیگر چیزیں بھی ہیں جو متعلقہ کتابوں میں تفصیل سے بیان کر دی گئی ہیں۔

لہٰذا ان تمام ہولناکیوں کے بعد یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اسلام نے اس سلسلے میں نہایت سخت موقف اپنایا جس سے ان لوگوں کا راستہ بند ہو جائے جو اہل اسلام کی تکفیر کرتے ہیں اور بت پرستوں کو چھوڑ دیتے ہیں بلکہ خلقت میں جہنم کے پروانے بانٹتے پھرتے ہیں اور اس کا شعور نہیں رکھتے، اللہ ہی ہمارا مددگار ہے۔

قارئین کرام! تکفیر کے اس نازک مسئلہ میں اہم ترین ضوابط یہ ہیں:

① کسی قول، فعل یا اعتقاد کی وجہ سے کسی مسلمان کو کافر نہیں قرار دیا جائے گا، سوائے اس صورت میں کہ اس کے اوپر حجت قائم کر دی جائے اور اس کے شبہات دور کر دیے جائیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فليس لأحد أن يكفّر أحدا من المسلمين وإن أخطأ وغلط حتي تقام عليه الحجة وتبيّن له المحجة، ومن ثبت إسلامه بيقين لم يزُل عنه ذلك بالشك، بل لا يزول إلا بعد إقامة الحجة وإزالة الشبهة.[2]

''کسی بھی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی مسلمان کی تکفیر کرے، اگرچہ وہ خطا و غلطی پر ہو، یہاں تک کہ اس پر حجت قائم کر دی جائے اور اس کے سامنے دلائل واضح کر دیے جائیں اور جس کا اسلام

---

۱ الدرر السنية في الأجوبة النجدية كتاب (حكم المرتد) ۱۰/۳۷۵

۲ مجموع الفتاوی: ۱۲/۴۶۶

یقین کے ساتھ ثابت ہو، شک سے وہ زائل نہیں ہو سکتا، بلکہ حجت قائم کیے بغیر اور شبہات کو دور کیے بغیر زائل ہو نہیں ہو سکتا۔"

② فعل و فاعل کے درمیان مطلق و معین کے درمیان فرق اور نصوص کو واقعات اور اشخاص پر محمول کرنے میں فرق کرنا ضروری ہے۔ مجموع الفتاوی میں ہے کہ

"قرآن و سنت میں وارد وعید کے نصوص یا کسی کو کافر یا فاسق قرار دینے کے سلسلے میں ائمہ کے نصوص یا اس قسم کے دیگر نصوص کسی متعین شخص کے حق میں لازمی نہیں ہیں۔ تاہم جب کسی میں کفر کی تمام شرائط جمع اور موانع ختم ہو جائیں تو اس سلسلے میں اصول و فروع میں کوئی فرق نہیں ہے۔"[1]

③ کفر کی دو قسمیں ہیں: کفر اکبر و کفر اصغر یعنی کفر اعتقادی و کفر عملی۔ یہی وہ ضابطہ ہے جو ان بہت سارے لوگوں پر خلط ملط ہو گیا ہے جو بے گناہوں پر کفر کی تہمت لگاتے ہیں اور اس مجرمانہ حرکت کی پاداش میں دہشت گردی کی پشت پر سوار ہوتے ہیں۔ انہوں نے نصوص کے درمیان تطبیق و موافقت دینے اور ظاہری تعارض والے نصوص کی بابت صحیح منہج سے غفلت برتی، یہی وجہ ہے کہ سلف و خلف میں جمہور علماء حاکمیت کے مسئلے میں تفصیل کی جانب گئے ہیں اور یہی حبر الامہ اور ترجمان القرآن سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا مسلک ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"یہ وہ کفر نہیں ہے جسے لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ یہ کفر سے کمتر کفر ہے۔"[2]

یہی قدیم و جدید ائمہ دعوت اور محققین کا موقف و مسلک ہے۔

نصوص کے مابین جمع و تطبیق کی معیاری تفصیل کے ساتھ اہل علم نے اس مسئلہ میں چار حالتوں کا ذکر کیا ہے جس سے اس بات پر اجماع حتمی ہو جاتا ہے کہ اہل سنت اُمت کے گناہ گاروں کو کافر گردانے سے بری ہیں۔ نیز دو مسلمان اس بات پر اختلاف نہیں کر سکتے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہے اور ہر مسلمان شریعت کے بغیر فیصلہ کرنے کو غلط ٹھہراتا ہے، لیکن مناسب نہیں کہ یہ واضح یقین مشکوک جوش اور اُمڈتے جذبے کی وجہ سے ہمیں نظر واستدلال میں اہل علم و ایمان کے قواعد اور اہل سنت اور قرآن کے اُصول سے نکال دے کیوں کہ حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں۔

---

1 مجموع الفتاوی: ۱۰/ ۳۷۲

2 السنن الکبری للبیہقی، باب تحریم القتل من السنۃ، رقم ۱۶۲۷۳؛ مستدرک حاکم: ۲/ ۳۴۲، رقم ۳۲۱۹

④ نہ اقوال کے لوازم کی بنیاد پر تکفیر کی جائے اور نہ ان پر منتج ہونے والے افعال کا اعتبار کیا جائے:

امام شاطبی فرماتے ہیں:

"عقیدہ کے ماہر محقق علما کا موقف ہے کہ جس عمل کا نتیجہ کفر ہو، وہ لازماً کفر نہیں ہوتا۔"[1]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اسی شخص پر کفر کا حکم لگایا جائے گا جس کے قول سے صراحتاً کفر ظاہر ہو، یا اسی شخص کی تکفیر کی جائے گی جس کے قول کا لازمی نتیجہ کفر ہو، پھر اس پر اس کے قول کا لازمہ بھی پیش کیا جائے اور وہ اسی کو اختیار کرے۔ لیکن جو شخص اسے اختیار نہ کرے بلکہ اس کا دفاع کرے تو وہ کافر نہیں ہوگا، اگرچہ اس کے قول کا لازمی نتیجہ کفر ہو۔ اور آخری بات یہ ہے کہ جس شخص کے کفر پر اہل اسلام کا اجماع ہو اسی کی تکفیر کی جائے گی، یا پھر یہ کہ اس کی تکفیر پر ایسی دلیل قائم ہو جائے جس کے معارض کوئی دلیل نہ ہو۔"[2]

اس قول کو ابن عبد البر[3]، ابن بطال[4]، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور امام مجدد محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہم نے نقل کیا ہے۔ امام محمد بن عبد الوہاب فرماتے ہیں:

"ہم کسی کی تکفیر نہیں کرتے مگر اس شخص کی جس پر تمام علما کا اجماع ہو، نیز اس قضیہ کے مسلمات میں سے یہ ہے کہ اسے معلوم ہو کہ یہ عمل کفر ہے کیونکہ کسی جاہل شخص کی تکفیر نہیں کی جائے گی یہاں تک اس کے اوپر حجت قائم ہو جائے۔"[5]

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ جہمیہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"میں تمہارا قول کہوں تو کافر ہو جاؤں لیکن میں تمہیں کافر نہیں کہوں گا، کیونکہ تم لوگ میرے

1 الاعتصام از شاطبی: ۱/۲۷۶

2 فتح الباری: ۱/ ۸۳، ۸۵ اور ۲/ ۵۲۳

3 ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر نمری قرطبی مالکی۔ نامور حافظِ حدیث، مؤرخ، ادیب، حافظ المغرب کا لقب پانے والے، م ۴۶۳ھ شاطبہ، تصانیف: الاستيعاب، جامع بيان العلم وفضله، التمهيد لما في الموطأ...، الدرر في المغازي والسير

4 أبو الحسن علی بن خلف بن بطال قرطبی... علما اور شراح حدیث میں نامور نام۔ م ۴۴۹ھ

5 الدرر السنية في الأجوبة النجدية: ۷/ ۱۴۵

نزدیک جاہل ہو۔''[1]

انہوں نے یہ بھی فرمایا:

''تاویل کرنے والے شخص کے سلسلے میں مناسب یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کے اوپر حجت قائم کی جائے، اس کی غلطی کو واضح کیا جائے اور اسے حق سے آگاہ کیا جائے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ موانع کو جانا جائے جو تکفیر سے روکتے ہیں جیسے جہالت، خطا اور اکراہ و مجبوری۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾ (النحل:۱۰۶)

''جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے (وہ اگر) مجبور کیا گیا ہو اور دل اس کا ایمان پر مطمئن ہو، تب تو خیر ہے۔''[2]

انہیں میں سے ایک 'جائز تاویل' بھی ہے۔ اسی لیے صحابہ کرام اس بات پر متفق تھے کہ ان لوگوں کی تکفیر نہیں کی جائے گی جنہوں نے کسی شبہ کی وجہ سے شراب کو حلال سمجھا تھا اور وہ شبہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تاویل تھا: ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾ (المائدۃ:۹۳)

''جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرنے لگے، ان پر اس بارے میں، جو انہوں نے کھایا ہے کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ اللہ کا تقویٰ اختیار کریں اور ایمان پر ثابت قدم رہیں اور اچھے کام کریں، پھر تقویٰ پر ثابت قدم رہیں پھر ایمان پر ثابت قدم رہیں پھر اللہ کا خوف کھائیں اور احسان (نوافل کے ذریعے اللہ کا تقرب حاصل) کریں۔ اللہ محسنین (نوافل کے ذریعے اللہ کا تقرب حاصل کرنے والوں) کو پسند کرتا ہے۔''

یہ ہیں قرآن و سنت اور امت کے سلف صالحین کے اقوال سے ماخوذ روشن دلائل جو اس مشکل ترین مسئلہ میں حق اور روشن راستے کو واضح کرتے ہیں جس کے ساتھ غلو و تکفیر اور تباہی کا گروہ بالکل غیر عادلانہ رویہ اختیار کیے ہوئے ہے۔ کاش یہ لوگ سمجھتے اور اپنی جہالت و تکفیر کی بیماری سے پاک ہوتے؟!

---

۱ الرد علی البکری از ابن تیمیہ: ۲/ ۴۹۲ و مجموع الفتاویٰ: ۲۳/ ۴۲۶

۲ مجموع الفتاویٰ: ۲۰/ ۹۲

پنجم: شرعی حاکم کے خلاف خروج کرنا اور جماعت سے نکل جانا

انتہا پسند اور منحرف فکر کے غلط ہونے کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ شرعی نظام پر کاربند حکام وقت کی نافرمانی کرتے اور جماعت کے بندھن سے علیحدگی اختیار کرتے ہیں۔ جب کہ ان اُمور کی حرمت پر صریح نصوص اور صحیح دلائل موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾﴾

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔" (النساء:۵۹)

اور آیت میں وارد أولوا الامر سے مراد علما اور اُمرا ہیں اور اسی کو قرطبی اور ابن کثیر رحمہما اللہ نے راجح قرار دیا ہے۔[1] نبی ﷺ نے امام کی اطاعت سے نکلنے سے ڈرایا ہے اور آپ ﷺ نے سمع وطاعت اور امیر کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے:

① سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَمَاتَ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً، وَمَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عُمِّيَّةٍ يَغْضَبُ لِعَصَبَةٍ أَوْ يَدْعُو إِلَى عَصَبَةٍ أَوْ يَنْصُرُ عَصَبَةً، فَقُتِلَ فَقِتْلَةٌ جَاهِلِيَّةٌ وَمَنْ خَرَجَ عَلَى أُمَّتِي يَضْرِبُ بَرَّهَا وَفَاجِرَهَا وَلاَ يَتَحَاشَ مِنْ مُؤْمِنِهَا، وَلاَ يَفِي لِذِي عَهْدٍ عَهْدَهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَلَسْتُ مِنْهُ»[2]

"جس نے حاکم کی اطاعت سے خروج کیا اور جماعت سے الگ ہوا، پھر اس کی موت ہو گئی تو وہ جاہلیت کی موت مرا اور جس نے کسی نامعلوم اندھے جھنڈے کے تحت جنگ لڑی، اس حال میں کہ وہ کسی

---

1 دیکھیں تفسیر ابن کثیر: ۲/۳۴۵ اور تفسیر قرطبی: ۵/۲۵۹

2 صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین عند ظہور الفتن وفی کل حال وتحریم الخروج علی الطاعۃ ومفارقۃ الجماعۃ، حدیث نمبر: ۱۸۴۸

گروہ کے لیے ناراض ہوتا ہے، یا کسی گروہ کی طرف دعوت دیتا ہے، یا کسی گروہ کی مدد کرتا ہے اور اسی حالت میں قتل کر دیا جاتا ہے تو یہ جاہلیت کی موت ہے اور جو میری امت کے خلاف خروج کرے اور اس کے نیک و بد تمام افراد کو قتل کرے اور مومنوں کے قتل سے دریغ نہ کرے اور نہ ہی کسی عہد والے کے ساتھ اس کا عہد و پیمان پورا کرے تو وہ نہ مجھ سے ہے اور نہ میں اس سے ہوں۔"

② ولی امر کی اطاعت کی تلقین کرتے ہوئے نبی ﷺ نے فرمایا:

«السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلاَ سَمْعَ وَلاَ طَاعَةَ»[1]

"ایک مسلمان پر پسند و ناپسند ہر دو صورتوں میں سمع و طاعت ضروری ہے جب تک کہ اسے کسی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے، جب اسے نافرمانی کا حکم دیا جائے تو پھر ایسی صورت میں اس پر نہ سمع ہے اور نہ طاعت۔"

③ عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عَلَيْكَ السَّمْعَ وَالطَّاعَةَ فِي عُسْرِكَ وَيُسْرِكَ وَمَنْشَطِكَ وَمَكْرَهِكَ وَأَثَرَةٍ عَلَيْكَ»[2]

"تمہارے اوپر سختی و آسانی، خوشحالی اور بدحالی میں اور اپنے اوپر ترجیح دیے جانے کی صورت میں سمع و طاعت ضروری ہے۔"

④ ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوا وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ»[3]

"تم سمع و طاعت بجالاؤ، کیونکہ ان پر وہ چیز واجب ہے جس کا انہیں ذمہ دار بنایا گیا ہے اور تمہارے اوپر وہ چیز واجب ہے جس کا ذمہ دار تمہیں بنایا گیا ہے۔"

ان احادیث میں حاکم وقت کے لیے غایت درجہ خود سپردگی اور اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، جب تک کہ وہ کسی معصیت یا کھلم کھلا کفر کا حکم نہ دے۔

---

1 صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب السمع والطاعۃ للامام مالم تکن معصیۃ، رقم: ۶۷۲۵۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب الطاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ و تحریمہا فی المعصیۃ، رقم: ۱۸۳۹

2 صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ و تحریمہا فی المعصیۃ، رقم: ۱۸۳۶

3 صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء وان منعوا الحقوق، رقم: ۱۸۴۶

⑤ امام ابو قاسم لالکائی[1] نے امام احمد سے نقل کیا ہے:

''جس نے بھی مسلمانوں کے امام کے خلاف خروج کیا، حالانکہ لوگ اس پر متفق ہو گئے تھے اور اس کی خلافت کو تسلیم کر چکے تھے جس طرح سے بھی ہو خواہ رضامندی کے ساتھ یا طاقت کے بل بوتے پر، تو اس خروج کرنے والے شخص نے مسلمانوں کے اتحاد کو توڑا اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت فرامین کی مخالفت کی۔ لوگوں میں سے کسی کے لیے بھی حاکم سے قتال کرنا اور اس کے خلاف خروج کرنا جائز نہیں ہے، اگر کسی نے ایسا کیا تو وہ بدعتی اور راہِ سنت کا مخالف ہو گا۔''[2]

⑥ امام طحاوی فرماتے ہیں:

''ہم اپنے اماموں اور حکام وقت کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم کریں، نہ ہم ان کے لیے بد دعا کریں گے اور نہ ہی اطاعت سے ہاتھ کھینچیں گے، ہم ان کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کے قبیل سے فرض سمجھتے ہیں جب تک کہ وہ کسی معصیت کا حکم نہ دیں اور ہم ان کی صلاح اور عافیت کی دعا کرتے ہیں۔''[3]

⑦ شرعی حکومت کی اہمیت اور اس کی عظمت کے بارے میں ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

''ہمارے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ لوگوں کے اُمور کی ذمہ داری دین کے عظیم ترین واجبات میں سے ہے، بلکہ دین و دنیا کا قیام اس کے بغیر ممکن نہیں ہے۔''[4]

⑧ امام عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس شعر میں کیا ہی بہترین بات کہی ہے:

لَوْلَا الأَئِمَةُ لَمْ تَأمَنْ لَنَا سُبُلٌ   وَكَانَ أَضْعَفُنَا نُهبًا لِأَقْوَانَا[5]

''اگر حکام وقت نہ ہوتے تو ہمارے راستے محفوظ نہ ہوتے اور ہم میں سے کمزور ترین آدمی طاقتور ترین آدمی کی لوٹ کا شکار ہو جاتا۔''

---

1 أبو قاسم ہبۃ اللہ بن الحسن رازی طبری لالکائی۔ بہت بڑے امام، حافظ اور شافعی فقیہ اور بغداد کے محدث تھے۔ طبری الاصل ہیں، انہوں نے سنت کی شرح میں دو جلدوں پر مشتمل ایک کتاب اور صحیحین کے رواۃ پر ایک کتاب تالیف کی ہے۔ وفات ۴۱۸ھ

2 شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ از لالکائی: ۱/۱۱۱

3 شرح العقیدۃ الطحاویۃ: ۱/۴۲۸

4 مجموع الفتاوی: ۲/۴۱۰

5 الآداب الشرعیۃ: ۱/۲۲۲

⑨ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"شاید ہی کوئی گروہ ہو جس نے حاکم وقت کے خلاف خروج کیا ہو اور اس کے خروج سے پیدا ہونے والا فساد اس فساد سے بڑھ کر نہ ہوا ہو جسے اس نے زائل کیا ہے۔"[1]

⑩ فتاوی میں دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"جہاں تک اہل علم و فضل اور دین کا مسئلہ ہے تو وہ کسی کو بھی حکام وقت کی نافرمانی کرنے انہیں دھوکہ دینے اور کسی بھی صورت میں ان کے خلاف خروج کرنے کی اجازت نہیں دیتے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔"[2]

⑪ امام بربہاری[3] فرماتے ہیں:

"جب آپ کسی شخص کو حاکم وقت کے لیے بددعا کرتے ہوئے دیکھیں تو سمجھ جائیں کہ وہ ہویٰ پرست ہے اور جب کسی آدمی کو حاکم وقت کے لیے صلاح کی دعا کرتے ہوئے سنیں تو سمجھ جائیں کہ وہ متبع سنت ہے۔"[4]

یہ وہ روشن اور واضح دلائل و براہین ہیں جو حکام وقت کے خلاف خروج کو باطل قرار دیتے ہیں اور خروج کرنے والے ہر قول و مسلک کی دھجیاں اڑاتے ہیں۔ یہ لوگ جن ناقص دلائل کا سہارا لیتے ہیں، وہ قرآن و سنت کی رہنمائی اور سلف صالحین کی فہم کی روشنی کے سامنے ڈھیر ہو جاتے ہیں۔ آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ مصیبتوں کو برپا کرنے کا منصوبہ بناتے ہیں اور اپنی جہالت و شدت پسندی کی بنیاد پر لوگوں کو تکلیف پہنچانے کی تدبیر کرتے ہیں، یہ لوگ تو کوئی بات سمجھتے ہی نہیں؟!

---

۱ منہاج السنۃ النبویۃ از ابن تیمیہ: ۱/۳۱۹

۲ مجموع الفتاوی: ۳۵/۱۲

۳ ابو محمد حسن بن علی بن خلف البربہاری اپنے دور میں حنابلہ کے شیخ تھے، ابن ابی یعلی فرماتے ہیں: "یہ ائمہ عارفین اور اصول کے حفاظ، پختہ کار علماء اور ثقہ مؤمنوں میں سے تھے۔ 'شرح السنۃ' ان کی مشہور تصنیفات میں سے ہے۔ وفات ۳۲۹ھ

۴ شرح السنۃ از البربہاری: ص ۱۱۳